احتساب اوراس کی ضرورت

تعلیمات نبوی کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر گھڑی اپنے عمل کا حساب
علامہ اقبالؒ

اللہ نے کائنات انسان کی خلافت کے لئے بنائی اور خود انسان کو آخرت کے لئے بنایا ہے۔ خلافت ارضی کا کام انجام دینے کے لئے انسان کو جس نور کی ضرورت ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اسے الہامی طور پر عطا فرمادیا:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا O (۱)

(اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو) اس کی بدی اوراس کی پرہیزگاری الہام فرمادی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لاشعور SUBCONSCIOUS میں یہ خوبی پیدا کردی ہے کہ وہ حسن اخلاق کو جانتا ہے۔ اخلاق میں بعض چیزیں پسندیدہ ہیں اور بعض ناپسندیدہ، اچھے اخلاق اور اچھے اعمال کو انسان طبعاً پسند کرتا ہے اور انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ برے اخلاق اور برے اعمال سے وہ طبعاً گھن کھاتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فجور (اخلاق کی پستی اور عمل کی بدی) بری باتیں ہیں۔ اس کے برعکس برائیوں سے بچنا اور اچھے اعمال کرکے نفس کو مطمئن رکھنا اچھی اور پسندیدہ بات ہے۔ برے بھلے کے اس امتیاز سے انسانی فطرت آشنا ہے، کیونکہ باری تعالیٰ نے یہ اس کے خمیر میں ودیعت کردیا ہے۔ سورہ دہر میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَ إِمَّا كَفُوْرًاO (۲)

ہم نے اسے (پسندیدہ) راستہ دکھایا اب (یہ اسے اختیار ہے کہ) وہ شکر گزار بندہ بنے یا

کفرانِ نعمت کرنے والا بندہ بنے۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو جاننے اور سمجھنے کی قوتیں دے کر ویسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی فہم وفراست کی رہنمائی کے لئے اسے وہ خصوصیات الہامی طور پر بتادیں جو اسے شکرگزار بندہ بننے کی توفیق دیں گی۔ ساتھ ہی وہ ناپسندیدہ باتیں بھی بتادیں جو اسے احسان فراموش اور کافرِ نعمت بنادیں گی اور اللہ کی نظر میں اسے معتوب قراردیں گی۔

یہ بات قرآن کریم میں کئی جگہ مختلف انداز میں بتائی گئی ہے بلکہ سورہ طٰہٰ میں تو ارشاد ہوا ہے:

الَّذِیۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ (۳)

(اللہ) تو وہ ہے جس نے ہر چیز کو (اس کے مناسب حال) خلقت عطا کی پھر اسے ہدایت دی۔

یہ اس ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو پرندے کو اڑنا، مچھلی کو تیرنا اور شہد کی مکھی کو شہد کا چھتہ بنانا سکھاتی ہے۔ آدمی کے بچے کا دودھ چوسنا اسی الہام کا نتیجہ ہے لیکن آدمی ایک عقلی وجود بھی رکھتا ہے۔ اللہ نے اسے عقل کے فروغ اور صحیح استعمال کے لئے بھی الہام کیا ہے، جس کی بدولت وہ علمی انکشافات کرتا ہے۔ کائنات کے طبعی قوانین کو سمجھتا ہے اور اسے اپنی تہذیب وتمدن کے فروغ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ سائنس دانوں کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ بیشتر ایجادات اسی الہام کا نتیجہ ہیں جس میں انسانی فکر کا کوئی کارنامہ شامل نہیں۔ سائنس دان کچھ سوچتا ہے کہ اچانک اس کے ذہن یں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکتا ہے اور اس کی بدولت اسے کسی چیز کا ایسا علم ہوجاتا ہے جس سے وہ بہت سی چیزیں ایجاد کرلیتا ہے۔ یہ تو علوم طبعی کے بارے میں فطری الہام کا طریقہ ہے۔

مگر انسان کا ایک اخلاقی وجود بھی ہے جس کی اصلاح وتعمیر کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے خیر وشر، گناہ وثواب اور پسندیدہ ناپسندیدہ کا علم فطری طور پر دے دیا۔ یہ ایک عالم گیر حقیقت ہے جس سے ضدی مادہ پرستوں کے علاوہ کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ انسان طبعًا بھلائی اور برائی کو پہچانتا ہے۔ برائی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور بھلائی کے کاموں میں دل چسپی لیتا ہے کیونکہ برائی کا نتیجہ برا اور اچھائی کا پھل اچھا ہوتا ہے مگر فجور وتقویٰ کا یہ حسّی اور فطری علم مفصل نہیں ہوتا۔ انسان اس کی تفصیلات حاصل کرنے پر قادر نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس علم کو انبیاء علیہم السلام پر وحی کرکے انسانوں کی تعلیم کا انتظام فرمایا۔ انسان اس انبیائی علم سے فائدہ اٹھائے تو نفس کو برائی سے پاک اور تقوے کی راہ پر چلنے کے لئے آمادہ کرسکتا ہے۔ تاکہ کامیابی کی اس راہ پر چلنے سے اسے اس دنیا میں بھی بھلائی ملے اور آخرت میں بھی،

یہی انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔سورہ ملک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ o(۴)

بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں کائنات کی سلطانی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے موت اور زندگی اس لئے پیدا فرمائیں کہ تم لوگوں کا امتحان کرے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

گویا یہ دنیا انسان کے لئے دارالعمل ہے۔وہ یہاں کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔یہاں اللہ کا قانونِ مکافات ہر وقت کارفرما ہے۔اس لئے آدمی خود اپنے نفس میں اپنے اعمال کا حساب کرتا رہتا ہے کہ اس سے فجور کتنا سرزد ہوا اور تقویٰ کی سمت میں اس نے کیا کام کیا۔انسانی اعمال کے نتائج اس دنیا میں ظاہر ہونے لگتے ہیں مگر پوری طرح نہیں۔ظہورِ نتائج کے آخری وقت کو قرآن کریم میں ''یوم الحساب'' یا ''یوم یقوم الحساب'' (۵) کہا گیا ہے۔یوں تو ہر کام کا نتیجہ اس کے ساتھ ساتھ ہی ترتیب پانے لگتا ہے مگر آخری اور فائنل حساب کے لئے آخرت میں یوم الحساب مقرر ہے۔

یہ قانون مکافاتِ عمل سنت اللہ ہے۔یہ دین کی اساس ہے، شریعت کی بنیاد ہے، وہ اعمال جن کا نتیجہ خیر ہو ان کا ثواب ملتا ہے کیوں کہ وہ مثبت اور تعمیری ہوتے ہیں۔انہیں اعمالِ خیر اور حسنات کہا جاتا ہے۔ایسے اعمال جن کا نتیجہ خراب ہو انہیں شر اور سیۂ کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر انسان کا ضمیر جانتا ہے۔سورہ قیامہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهِ بَصِیْرَةٌ o وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهُ o(۶)

انسان (کا اپنا ضمیر) اپنے نفس کا شاہد ہے خواہ وہ کتنے ہی عذر تراشے۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا کہ:

اِقْرَاْ کِتَابَکَ ط کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا o(۷)

لے پڑھ اپنا نامہ اعمال، آج اپنا حساب کرنے کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔

گویا دنیا ہو یا آخرت اپنے اعمال کے فجور اور تقویٰ کو جاننے اور اس کا اندازہ کرنے کے لئے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں۔اس کے لئے کوئی سپردنی محتسب نہیں چاہئے۔انسان کا اپنا ضمیر اپنی ذات کے خلاف یا اس کے حق میں زندہ گواہ ہوتا ہے۔

اعمال کے اس خیر وثواب کو پرکھنے کا نام حساب کرنا یا احتساب ہے۔جب یہ عمل اللہ کے تعلق سے

ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ حسیب ہوتا ہے۔ وہ سریع الحساب ہے مگر اس کے فیصلے کا آخری ظہور یوم الحساب کو ہوگا، اس لئے معلوم ہوا کہ انسان اپنے اعمال کا خود ہی محاسب یا محتسب ہے اور اللہ بھی اپنے علم سے اس کی نگرانی فرماتا ہے کیونکہ وہ ''رقیب'' ہے۔ کائنات کی نسبت سے ارشاد ہے:

وَکَانَ اللہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًاo(۸)

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگراں ہے۔

اور انسانوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًاo (۹)

اللہ تعالیٰ تم انسانوں (کے اعمال) کا نگراں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون مکافات افراد کے حق میں بھی نافذ ہوتا ہے اور اقوام کے حق میں بھی۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ:

وَکَاَیِّن من قَرْیَۃٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّھَا وَرُسُلِہٖ فَحَاسَبْنٰھَا حِسَابًا شَدِیْدًا وَ عَذَّبْنٰھَا عَذَابًا نُّکْرًاo(۱۰)

کتنی یہ آبادیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے منہ موڑا اور رسولوں کی نافرمانی کی تو ہم نے ان سے سخت حساب لیا اور ان کو بری طرح سزا دی۔

اس آیت میں مسلمانوں کے لئے تنبیہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واسطے سے ان کو جو احکام اور شریعت ملی ہے اگر وہ اس سے منہ موڑیں گے یا نافرمانی کریں گے تو دنیا اور آخرت دونوں میں برے انجام سے دوچار ہوں گے۔ چنانچہ سورہ رعد میں ارشاد ہوا ہے کہ:

لِلَّذِین استجابوا لربھم الحسنٰی و الَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْ لَہٗ لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْ اٰبِہٖ ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ سُوْ ءُ الْحِسَاب وَمَاْ وٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِھَادo(۱۱)

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا ان کے لئے (سراسر) بھلائی ہے مگر جن لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا وہ اگر ساری زمین کی دولت کے مالک ہوں اور اتنی ہی اور مہیا کریں تو وہ خدا کی گرفت سے بچنے کے لئے اس سب کو فدیہ میں دینے کو آمادہ ہو جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بری طرح حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے (اور جہنم تو ہے) بہت برا ٹھکانہ۔

اس تنبیہ کی اہمیت اس لئے اور زیادہ ہے کہ مہلت حیات بہت مختصر ہے اور وقت بڑی تیزی سے گزرتا چلا جاتا ہے اور ہم اپنی مصروفیات میں اسے گزرتے محسوس نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی یاد آوری کرائی ہے سورہ انبیاء میں ارشاد فرمایا کہ:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ (۱۲)

لوگوں کے حساب کا وقت اور قریب آ گیا ہے مگر وہ ہیں کہ غفلت میں (حساب کے دن سے) منہ موڑے ہوئے ہیں۔

حساب اور یوم الحساب کے اسی دینی تصور سے ''حسبہ'' کی اصطلاح نکلی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی جواب دہی کے خیال سے خود اپنا احتساب کرے اور اجتماعی ذمہ داریوں کی جوابدہی کے خیال سے معاشرے میں معروفات کے چلن اور مناہی کو روکنے کی کوشش کرے اور اس طرح معاشرہ عدل اجتماعی کے اصول سے بہرہ مند ہو۔

اسلامی معاشرے کی یہ خصوصیات اس زمانے سے واضح ہونے لگی تھیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی معاشرہ اور ریاست کی اساس ڈالی۔ اس معاشرے کا مرکز مسجد نبوی ﷺ تھی، جہاں نماز اور عبادات کے علاوہ اخلاقیات، سماجیات اور نظم اجتماعی سے متعلق امور کی تعلیم ہوتی تھی۔ یہ امور مشورے کے ذریعے طے ہوتے تھے اور خود حضور اکرم ﷺ کی نگرانی میں مساوات، اخوت، عدل اجتماعی، معاشرتی تحفظ کے اسلامی اصولوں پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ اس طرح اسلامی قانون کی حکومت قائم ہوئی اور ضور اکرم ﷺ کے حینِ حیات پوری طرح قائم رہی۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے تعزیری قوانین تھے جو قصاص کے اصول کے تحت بنائے گئے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد دورِ صدیقی میں بعض قبائل نے قانون کی خلاف ورزی کی اور اسلامی حکومت سے آزاد ہو کر قبائلی نظام کی طرف جانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان باغیوں کی اچھی طرح سرکوبی کی اور حضرت عمر فاروقؓ کو عدل اجتماعی کا ذمہ دار بنا کر اسلامی معاشرے میں معروفات کے رواج اور استحکام کو یقینی بنایا۔ انہوں نے عوام کے اخلاق اور سماجی اعمال کی دیکھ بھال کے لئے محتسب مقرر فرمائے جو بعد میں خود ان کے دور میں اور پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں حکومت کے ادارہ احتساب سے متعلق ہوتے تھے۔ اس ادارے کا دستور العمل شوریٰ میں طے ہوتا تھا۔

حسبہ، محاسبہ یا احتساب کے متعلق تصانیف پانچویں صدی ہجری سے تدوین ہونی شروع ہوئیں، ان

میں دو کتابیں بہت مشہور ہیں:

۱۔ الماوردیؒ کی کتاب ''الاحکام السلطانیہ''

۲۔ امام غزالیؒ کی کتاب ''احیاء علوم الدین''

ان میں سے پہلی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' کا تیسواں باب خاص طور پر محاسبے کے بیان میں ہے اور اس کے قانون اور عدالتی پہلوؤں سے بحث کرتا ہے۔ ''احیا علوم الدین'' میں حسبہ کے صرف اخلاقی حصے پر گفتگو کی گئی ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ ابن حزم اندلسی اور امام ابن تیمیہ کی کتاب ''الرسالہ فی الحسبہ'' اور ''القلقشندی'' اور ''المقریزی'' کی کتابیں معروف ہیں۔ افریقہ میں یحییٰ بن عمر کی کتاب ''احکام السوق'' تجارتی امور سے متعلق ہے۔

اس کے بعد جو کچھ کتابیں لکھی گئیں، ان میں انہی پرانی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بہرحال ان سب کتابوں کا ماحصل یہ ہے کہ احتساب کے مختلف پہلوؤں کے پیش نظر مسلمان حاکموں اور مسلمان معاشروں کے ذمے داروں کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے شخصی اخلاق، معاملات، لین دین، خرید و فروخت، کیف و کم سب پر نظر رکھیں اور کسی بھی پہلو سے بداخلاقی، برائی، بے ایمانی اور دجل و دغا کو داخل نہ ہونے دیں۔

سرکاری محاسبوں کے علاوہ بھی معاشرے کے سربرآوردہ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ برائیوں کے مٹانے میں قانونی مداخلت کا سہارا لیں اور کوشش کریں کہ عوام قانون کا احترام کریں۔

ابتداً یہ محتسب صاحب السوق یا عامل السوق کہلاتے تھے۔ خلیفہ مامون کے دور سے لفظ محتسب کا استعمال شروع ہوگیا تھا اور اس کے بعد اسلامی معاشرے میں یہ ایک اہم ادارہ بن گیا۔ ان محتسب کارکنوں کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے مذہبی فریضے یعنی مسلمانوں کی سماجی زندگی کے ساتھ ساتھ بازار اور منڈی کے کاروبار کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ یعنی (وہ نماز باجماعت کے اہتمام اور نگرانی کے ساتھ مساجد کی خبرگیری، بازاروں اور حماموں میں مردوں اور عورتوں کے درمیان شستگی اخلاق اور ذمیوں کے بارے میں قانون کے نفاذ کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ لوگ کھوٹے کھرے سکوں، اوزان، پیمانوں وغیرہ پر بھی نظر رکھتے تھے۔ عطاروں، حکیموں، مدرسوں کا بھی محاسبہ کرنے کے مجاز تھے۔

قحط اور بے روزگاری سے متاثرہ افراد کے لئے سفارشات، خیموں کا کنٹرول اور احتکار کو روکنے میں حکومت کے مدد و معاون تھے۔ زمانہ حال کی اصلاحات رائج ہونے سے پہلے سب مسلم ممالک میں

محتسب ہوتے تھے۔ سعودی عرب میں آج بھی سرکاری محتسب ہیں۔ انہوں نے محتسب کے فرائض کوتوالوں کے سپرد کردیئے تھے۔ برٹش انڈیا اور تقسیم ہند کے بعد بھی محاسبہ اور احتساب کا کام شعبہ پولیس کے سپرد ہے۔

یہی حال سارے دوسرے مسلم ممالک کا ہے، ان میں سے بیشتر عرصے تک یورپی ممالک کے مستعمرات رہے، باقی جو بچے وہ استعمار کے نظریاتی نظام سے متاثر ہوئے اور ہر ملک میں احتساب کے شعبے پولیس، خفیہ پولیس اور محکمہ تفتیش کے سپرد کردیئے گئے۔

ان تمام ممالک میں تعلیم وتربیت کی کمی تھی۔ پھر جب نظام مغرب زدہ حکمرانوں کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے قوم کی تربیت اخلاق اور تعمیر کردار پر توجہ دینے کے بجائے تہذیب کے ظواہر پر توجہ دی۔ چنانچہ آج ہمارے ملکوں میں عمارات ہیں، عجائب گھر ہیں یادگاریں ہیں، نہیں ہیں تو اچھی یونیورسٹیاں، تحقیقی ادارے اور تعلیم گاہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ عوام بے علم وتربیت، خواص عیش پسند اور نقال وہ خود بھی بگڑے اور عوام کو بھی بگاڑا۔ سچ کہا ہے حالی مرحوم نے:

کسی قوم کا جب الٹتا ہے دفتر
تو پہلے بگڑتے ہیں اس میں تونگر

قرآن کریم نے ایسے ہی حالات کے بارے میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اكابر مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۝ وَمَا يَمْكُرُوْنَ إِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (۱۳)

اس طرح ہم نے ہر آبادی میں بڑے بڑے مجرموں کو اٹھا کھڑا کیا ہے وہ چال بازیاں کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ یہ چال بازیاں خود اپنے ہی خلاف کررہے ہیں، حالانکہ انہیں اس کا شعور نہیں۔

آیت کریمہ میں جن چال باز اکابر کا ذکر کیا ہے وہ شاید ہمارے آج کے چال باز حکمرانوں کی طرح ہی کے ہوں گے۔ آج دنیا میں ۶۰ کے قریب مسلم ممالک ہیں مگر کسی ملک میں بھی صحیح معنوں میں بے لاگ احتساب کا محکمہ نہیں اور اگر اس نام کی کوئی چیز ہے بھی تو وہ سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر۔ ملکِ عزیز میں بھی احتساب کا محکمہ قائم ہے جس کے لئے دیانت دار افراد ملنا مشکل ہورہے ہیں جو کہ قومی المیہ ہے۔ سیاست دانوں نے خود کو عوام کے سامنے اس طرح پیش کیا گویا کہ وہ عوام کے مسیحا ہیں۔ ان کا حال قرآن کریم کی ان آیات کے مصداق ہے کہ:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا O الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا O (۱۴)

ان سے پوچھئے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے بدترین لوگ کون ہیں؟ وہ جن کی ساری کوشش اپنی دنیاوی زندگی کو (شان دار بنانے کی جدوجہد میں) کھوئی گئی اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت اچھا کام کیا۔

ان اکابرین نے معیار حیات بلند کرنے اور اقتصادی ترقی کے نام پر قرضے لے لے کر اپنی اپنی قوموں کو گردن گردن قرضے میں ڈبو دیا۔ پھر امداد شرائط کے ساتھ لی اور عملاً قرض دینے والی اقوام کے غلام بن گئے اور بعض بعض ان قرضوں پر سود دینے کے لئے نئے قرضے لینے پر مجبور ہیں۔ قرضہ دینے والوں کی سیاسی ہدایات پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ غرض آزاد ہوتے ہوئے بھی عملاً غلام ہیں۔ یہ لوگ اسلام اسلام کی دہائی دیتے رہتے ہیں۔ مگر کام سارے وہ کرتے ہیں جو مسلمانوں کو رسوا اور دین کو بدنام کریں۔ انہوں نے اپنی بے ایمانی کی آڑ میں حکومتی کارکنان کو بے ایمان، رشوت خو، ظالم اور جابر بنا دیا ہے۔ چنانچہ فسادی ملکوں کی فہرست میں مسلمان ملک سرفہرست ہیں۔

لوگوں کو گھر نصیب نہیں ہوتے اور یہ اپنے لئے محلات بناتے ہیں۔ وطن میں بھی اور وطن سے باہر بھی۔ ان کی عیاشی خود مغربی ممالک میں ضرب المثل بن گئی ہے۔

ان کی وہ پولیس جس کا کام امن عامہ کا تحفظ، اور بے ایمانی، استیصال اور رشوت ستانی کا استیصال کرنا تھا، خود سب سے زیادہ بے ایمان، استحصال کرنے والی، رشوت لینے والی ہے۔ ان کے زیر اثر عوامی سطح پر بھی دھانس دھمکی کا مزاج پروان چڑھتا ہے اور انہوں نے عوامی نفسیات کو اس درجے بدل دیا ہے کہ لوگ منکر کو معروف اور معروف کو منکر سمجھنے لگے ہیں اور اپنی اولادوں کو دعوت دین دینے کے بجائے دعوت دنیا دیتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں میں نفاق کا مرض تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ علم دین سے کسی کو شغف نہیں۔ اگر تھوڑا بہت علم دین سیکھتے ہیں تو وہ تو وہ غریب اور بے سہارا لوگ ورنہ درمیانہ اور اونچے طبقے کے لوگ اپنے بچوں کو میڈیسن، انجینئرنگ، کمپیوٹر ٹیکنالوجی جیسی چیزیں پڑھاتے ہیں۔ علم دین کے نام پر ان بچوں کو بہت سی بالکل بنیادی باتیں بھی معلوم نہیں ہوتیں اور عملاً ان کے کردار اور غیر مسلموں کے کردار میں نام کے علاوہ کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ افسوس ناک حقیقت تلخ تو ہے مگر ہے امر واقعہ۔

ہمارے اکابر اور ارباب حل وعقد ہر سطح پر محض دنیا دار لوگ ہیں، جنہیں دین سے نہ صرف یہ کہ کوئی علاقہ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر دین کے معروفات سے بیزار اور ان کے خلاف ہیں۔ انہیں نہ کتاب اللہ

سے مس ہے، نہ اسوۂ رسول ﷺ کا پاس، وہ نہ علما کی بات سنتے ہیں، نہ مبلغین کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف سے غفلت برتنے کے اثرات بتاتے ہوئے لوگوں سے پوچھا:

کیف انتم اذا طغیٰ نساء کم و فسد شبابکم و ترکتم جهاد کم

اس وقت کیا ہوگا جب تمہاری خواتین باغی ہو جائیں گی، جوان بگڑ جائیں گے اور تم دین کی راہ میں کوشش کرنا ترک کردو گے۔

صحابہ کو بڑا تعجب ہوا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے اور وہ بولے:

و اِن کان ذلک لکائن یارسول اللہ؟

کیا یہ ہونے والا ہے، اے رسول اللہ؟

آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

نعم والذی نفسی بیدہ واشدُّ منه سیکون

ہاں! اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس سے بھی زیادہ ہوگا۔

لوگوں نے پوچھا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ اے اللہ کے رسول ﷺ:

ارشاد فرمایا:

کیفَ انتم اذا لم تامروا بالمعروف و تنهوا عن المنکر

اس وقت کیا ہوگا جب تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دو گے۔

لوگ اور چونکے اور پوچھا کہ ایسا کیوں ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ سب کچھ تو ہوگا ہی پھر آپ نے سوال کیا؟

کیف انتم إذا رأیتم المعروف منکراً ومنکرا معروفاً

اس وقت کیا ہوگا جب تم دیکھو گے کہ معروف منکر سمجھا جارہا ہے اور منکر معروف کی جگہ لے چکا ہے۔

لوگوں نے اور زیادہ تعجب کا اظہار کیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

کیف انتم اذا امرتم بالمنکر و نهیتم عن المعروف

اس وقت کیا ہوگا جب تم منکر کا حکم دو گے اور معروف سے روکو گے۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان فتنوں کے ادوار میں سے ہم کس دور سے گزر رہے ہیں مگر واقعہ ہے کہ سنجیدگی سے غور کریں تو مغرب کی ذہنی غلامی نے ہمیں ایسے اخلاقی انحطاط میں مبتلا کر دیا ہے کہ ہم شرعی حدوں کو بار سمجھنے لگے ہیں، انہیں ایک ایک کرکے گرا رہے ہیں:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حال یہ کہ خود مسلمان معاشرہ میں دین داروں اور دنیا داروں کے دو محاذ بن گئے ہیں۔ دین دار اور علما لوگوں کی سوچ کا رخ بدلنے میں ناکام ہیں اور انہوں نے خود کو سمیٹ کر مسجدوں اور مدرسوں میں محیط کرلیا ہے۔ حالانکہ ان کا کام یہ تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام حکمت اور خیر خواہی سے کرتے رہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ معاشرہ پورے کا پورا غلط انسانی شاکلہ میں بدل گیا اور زمامِ کار غلط لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو مسلمان تو ہیں مگر نہ اسلام کو جانتے ہیں نہ انہیں اسلام کے مفاد سے غرض ہے۔ وہ اپنی اپنی اغراض میں مبتلا خود بھی بگڑ رہے ہیں اور پورے نظام حکومت کو بگڑنے کا موقع دے رہے ہیں۔ کچھ لوگ ان پر گرفت یا تنقید کرتے ہیں تو ان کو ظلم کے کوڑے سہنے پڑتے ہیں۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

کما تکونون کذلک یؤمر علیکم

جیسے تم ہوگے ویسے ہی تمہارے حاکم بنائے جائیں گے۔

آج ہمارے زیادہ تر ممالک نام نہاد جمہوریت کے علم بردار ہیں۔ صاحب حیثیت اور مالدار لوگ خود کو عوامی خدمت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ عوام سے سنہری وعدے کرتے ہیں۔ اقتدار میں آ کر انہی عوام کا استیصال کرتے ہیں۔ خود بگڑتے اور عوام کو بگاڑتے ہیں، چنانچہ آج اگر مسلمان ملکوں کا کوئی طرہ امتیاز ہے تو دولت دنیا کے حریص ظالم حاکم اور امرا اور ظلم کی چکی میں پستے ہوئے عوام پھر جب عوام احتجاج کرتے ہیں تو حکومت انہیں باغی، دہشت پسند اور عوام دشمن گردان کر ان کا قتل عام کرتی ہے۔ بیشتر اسلامی ممالک میں ایک ہی سا حال ہے۔

اور یہ سب کیوں؟ احتساب اور امر بالمعروف اور نہی المنکر کی کمی۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تین باتیں کرنے کا حکم دیا تھا اور تین باتیں نہ کرنے کا۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ إِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ (۱۵)

اللہ تعالیٰ انصاف، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔

مگر ہمارے یہاں نہ انصاف ہے، نہ احسان کی روش اور نہ صلہ رحمی جیسا کہ ہونا چاہئے۔ بدی بے حیائی اور ظلم وزیادتی حد سے زیادہ ہے۔ ایسی کہ بات ہاتھ سے نکل گئی ہے، اصلاحی تحریکیں ناکام ہیں اور اسلامی قدروں کے نام پر دہائی بے اثر۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں خون خرابہ ہوتا رہتا ہے۔ امن وآشتی عنقا ہوگئے۔ خیر پسند لوگوں کی زندگی حرام ہوگئی ہے۔ لوگ ترک وطن کررہے ہیں اور اس کا علاج صرف رجعت الی الاسلام ہے مگر وہ کیسے ہو؟

اس کے برعکس دوسری جانب ملاحظہ کیجئے کہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی ہدایات کیا تھیں؟ عہد نبوی ﷺ میں احتساب کا نظام کن خطوط پر استوار تھا؟ اور ان ہدایات پر اسلامی تعلیمات کے حامل حکمرانوں کا طرزِ عمل کیا تھا؟ کیوں کہ خلفائے راشدین اور دیگر اسلامی سربراہان کا طرز کوئی ان کا اپنا خود اختیاری نہیں تھا وہ تو وہی کچھ کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں تعلیم فرمایا تھا۔

چنانچہ ان ہدایات کی چند جھلکیاں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے عامل (گورنر) مقرر کرتے ہوئے یہ ہدایات فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایاک والتنعم، فان عباد اللّٰہ لیسوا بالمتنعمین (۱۶)

عیش پسندانہ زندگی سے بچنا، کیونکہ اللہ کے بندے عیش پسند نہیں ہوتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی اچھا کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ اہلِ خانہ نے میٹھا کھانے کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ میں بیت المال سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا، اور جب اہلیہ محترمہؓ نے پیٹ کاٹ کر ایک مدت میں کچھ رقم جمع کی تو بیت المال کے منتظم کو لکھ بھیجا کہ اتنی رقم میرے وظیفے سے کم کرلی جائے، کیونکہ اس سے کم میں بھی گزارا ہوجاتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بچی ہوئی رقم بھی بیت المال کو واپس کردی۔ (۱۷)

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں اور عمال کو یہ ہدایات دے کر روانہ فرمایا کرتے تھے:

لا تـركبوا برذونا ، ولاتا كلوا نقيا، ولاتلبسوا رقيقا، ولا تغلقوا ابوابكم دون حوائج الناس، فان فعلتم شيئاًمن ذالك فقد حلت بكم العقوبة (۱۸)

عمدہ ترکی گھوڑے پر سوار مت ہونا، میدہ استعمال نہ کرنا، باریک پوشاک مت پہننا، اور نہ ضرورت مندوں پر اپنے دروازے بند کرنا، اگر ان میں سے کوئی بات کی تو تمہارے لئے سزا حلال ہو جائے گی۔

اسلام بنیادی طور پر ایک وحدت ہے، جس کی اساس توحید رسالت اور قیامت پر استوار ہے مگر اسلام کے بے شمار روپ بنا دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرقہ بندی اور گروہ سازی کو شرک قرار دیا تھا۔ صاف صاف فرما دیا تھا کہ:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيفًا ج فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ج لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ج ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلَا كِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ o مُنِيْبِيْنَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَأَقِيْمُوا الصَّلوٰةَ وَلَا تَكُوْنُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا o كُلُّ حِزْبٍ م بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ o (۱۹)

(پس اے مسلمانو!) یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت (دین) پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔ قائم ہو جاؤ اس بات (اسلام) پر اللہ کی طرف (توبہ سے) رجوع ہو کر، اور اللہ سے ڈرو، نماز قائم کرو اور اس گروہ مشرکین میں سے مت ہو جاؤ، جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ کر لیا ہے (فرقہ بندی کر لی ہے) اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں اور ہر گروہ اس (نوع دین) پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرما دی تھی کہ:

وَأَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ o وَاصْبِرُوْا ج إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ o (۲۰)

اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

طبرانی میں ایک حدیث ہے کہ ایک بار بعض صحابہ مسجد نبوی ﷺ میں اپنی کسی بات پر جھگڑ رہے تھے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ ان حضرات کو بحث مباحثہ کرتے اور جھگڑتے دیکھ کر آپ ﷺ سخت آزردہ ہوئے اور فرمایا:

> اے امتِ محمد (ﷺ) اس طرح کی بحث اور جھگڑوں سے باز آ جاؤ۔ تم سے پہلے بہت سے لوگ اسی طرزِ عمل سے ہلاک ہو گئے۔ لہٰذا تم بحث و مباحثہ اور جنگ و جدل چھوڑ دو۔ میں کسی ایسے شخص کے لئے قیامت کے دن سفارش نہ کر سکوں گا جو دین کو آپس کے نزاع اور لڑائی جھگڑے کا عنوان بناتا ہے۔

مگر عالم اسلام اور خود اپنے ملک کے حالات پر نظر ڈالئے، دین کے نام پر فروعی اختلافات کو بنیاد بنا کر کتنا خون خرابہ ہو رہا ہے۔ امت فرقوں میں بٹ گئی ہے اور ایک فرقہ کے مسلمان دوسرے فرقے کے مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ انہیں قتل کر رہے ہیں اور یہ سمجھ کر قتل کر رہے ہیں کہ اس طرح وہ دشمنانِ اسلام کا استیصال کر رہے ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے یہ جانتے تھے کہ مسلمان بھی پہلی امتوں کی طرح فرقہ بندی کے داخلی مرض کا شکار ہوں گے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کی مشہور حدیث ہے کہ:

> میری امت میں بھی وہی سب کچھ ہو گا جو یہود و نصاریٰ میں ہوا، بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹے تھے، میری امت ۷۳ (یا اس سے بھی زیادہ) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سارے فرقے بجز ایک (سلامت رو) گروہ کے جہنمی ہیں
>
> صحابہؓ نے پوچھا حضور ﷺ! وہ ایک فرقہ (ناجیہ) کون سا ہے (جو جہنمی نہیں ہے)؟
>
> آپ ﷺ نے فرمایا:
>
> جو اس دین پر چلے جس پر میں اور میرے (اولین) صحابہؓ چلتے ہیں۔

اس لئے فرقہ ورانہ اختلافات کا حل اور ان کا فیصلہ نہ آج تک ہوا ہے اور نہ ہو سکے گا۔ قرآن شریف میں یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ نفس کی شرارتوں اور انفرادی آرا کی بنیاد پر پڑنے والے فرق کبھی دور نہیں کئے جا سکتے۔ ان کا فیصلہ تو خدائے قدوس قیامت کے دن کرے گا۔ سورہ یونس میں ارشاد ہے کہ:

> فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۲۱)

تقریباً انہی الفاظ میں یہ بات سورہ نمل اور سورہ جاثیہ میں فرمائی گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ خدا اور دین

کے بارے میں مختلف انسانی گروہوں اورایک ہی مذہب کے مختلف فرقوں کے درمیان جواختلافات رونما ہوتے ہیں، ان کا فیصلہ اس دنیا میں اسی وقت ممکن ہے جب لوگ ہر قسم کے تعصب اور جانبداری کو چھوڑ کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجعت کریں۔

اختلاف کرنے والے متعصب لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۲۲)

جن لوگوں نے اپنے دین کوٹکڑے کردیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً اس سے آپ کا (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا) کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔

آج دنیا میں ۱۰۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں مگر ان میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ اقتدار کی مسندوں پر براجمان اکابران کے ان جھگڑوں سے فائدہ اٹھاتے، انہیں آپس میں لڑواتے اور سیاسی مفادات حاصل کرتے رہتے ہیں۔

وطن عزیز میں بھی تفریق مذاہب سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ ملک کا اتحاد پارہ پارہ ہوا۔ لوگ ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوگئے۔ خون مسلمان جو مسلمان پر حرام تھا پانی کی طرح بہا۔ قوم نے اسلامی قدروں کو چھوڑا، بگڑی اور ایسی بگڑی کہ بگڑے ہوؤں کی صف میں سب سے نمایاں ہوگئی۔

خدا کرے کہ احتساب کے لئے خداترس، انسانیت دوست اور انصاف پسند لوگ میسر آسکیں۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

احتساب کی چند مثالیں

احتساب کا عنوان اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس کے چود پہلوؤں کے حوالے سے گزارشات پیش کی گئیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس گفتگو کے اختتام سے قبل اسلامی احتساب کی چند درخشاں مثالیں بھی پیش کردی جائیں، تاکہ ہمارے لئے اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق احتساب کے قیام کے لئے اسوۂ حسنہ اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کی روشنی میں صحیح نمونۂ عمل سامنے آسکے۔

۱۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک بار آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو

بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لئے اپنا عامل مقرر کر کے روانہ کیا، جب مال وصول کر کے وہ لوٹا تو آپ نے رقوم کا حساب طلب کیا، اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ تو آپ کا مال ہے یعنی وصول ہونے والے صدقات ہیں اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہے، یہ ہدیہ وہیں تمہارے پاس آ جاتا؟ پھر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس عمل کی سخت مذمت فرمائی۔ (۲۳)

۳۔ ایک بار شاہ غسان نے ایک عام شخص کو تھپڑ مار دیا، یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ اگر چہ بادشاہ تھا مگر انہوں نے فیصلہ سنا دیا کہ یا تو تم اسے راضی کر و ورنہ وہ بدلہ لینے کا حق رکھتا ہے، شاہ غسان نے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک عام عرب اور ایک بادشاہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا:

نہیں قطعاً نہیں، اسلام نے تم دونوں کو یکساں مقام عطاء کیا ہے۔ (۲۴)

۵۔ حضرت ابوتمیمہ کا معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس دوران اگر کوئی آیت سجدہ آ جاتی تو اسی وقت سجدہ تلاوت ادا کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو آپ نے منع فرمایا اور انہیں یہ بات بتائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ وہ نماز کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ہرگز سجدہ نہ کرتے تھے۔ (۲۵)

۴۔ ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی اور مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کر نماز پڑھانے لگے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور سوال کیا کہ کیا آپ کو علم نہیں کہ عہد نبوت میں لوگوں کو اس سے روکا جاتا تھا؟ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بولے کہ ہاں آپ نے کہا تو مجھے یاد آیا۔ (۲۶)

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الشمس: ۸

۲۔ سورۃ الدہر: ۳

۳۔ سورۃ طٰہٰ: ۵۰

۴۔ سورۃ الملک: ۱۔۲

۵۔ ابراہیم: ۴۱

۶۔ سورۃ قیامہ: ۱۴۔۱۵

۷۔بنی اسرائیل:۱۴
۸۔سورہ۳۳/آیت ۲۵
۹۔النساء:۱
۱۰۔سورہ طلاق:۸
۱۱۔رعد:۱۸
۱۲۔انبیاء:۱
۱۳۔الانعام:۱۲۳
۱۴۔الکہف:۱۰۳،۱۰۴
۱۵۔النحل:۹۰
۱۶۔ہیثمی ،مجمع الزوائد: ج ۱۰،ص ۴۳۹،رقم ۱۷۸۳۵
۱۷۔اشہر مشاہیر اسلام: ج ا،ص ۹۳
۱۸۔مشکوۃ المصابیح: کتاب الامارۃ، باب ماعلی الولاۃ من التیسیر
۱۹۔روم: ۳۰،۳۲
۲۰۔الانفال:۴۶
۲۱۔یونس:۹۳
۲۲۔الانعام:۱۵۹
۲۳۔بخاری: ج ۴،ص ۱۴۶
۲۴۔اشہر مشاہیر الاسلام: ج ۲،ص ۲۸۲
۲۵۔ابوداؤد: ج ا،ص ۵۲۶۔رقم ۱۴۱۵
۲۶۔ابوداؤد: ج ا،ص ۲۳۴۔رقم ۵۹۷

اسلام کی کرنیں دیارِ مغرب میں

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

حرف اول: پروفیسر عبدالجبار شاکر

فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی۔